

تفسير سورة الفاتحة

تأليف: شيخ الاسلام الإمام
محمد بن عبد الوهاب رحمه الله

تحقيق
د. فهد بن عبد الرحمن الرومي

ترجمة وتلخيص د. عزير أحمد بن مجيب الله القاسمي

مركزی جمعیت علماء هند

تفسیر الفاتحہ

تالیف

شیخ الاسلام محمد التمیمی رحمہ اللہ

تحقیق وتعلیق

د۔ فہد بن عبدالرحمن بن سلیمان الرومی

ترجمہ وتلخیص

عزیر احمد قاسمی

نشر واشاعت

مرکزی جمعیۃ علماءِ ہند

نام کتاب	تفسیر سورہ فاتحہ
مؤلف	شیخ محمد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ
محقق کتاب	ڈاکٹر فہد عبدالرحمن الرومی
تلخیص ترجمہ	عزیر احمد قاسمی
ناشر	مرکزی جمعیۃ علماء ہند، دہلی

دوسرا ایڈیشن

٢٠١١ء

عرض ناشر

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

امابعد:

ناظرین کرام: آپ کے ہاتھ میں یہ جو کتاب ہے سورہ فاتحہ کی تفسیر ہے، جسے شیخ محمد تمیمی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عرق ریزی سے تصنیف کیا تھا، ماضی قریب تک یہ کتاب مخطوطے کی شکل میں تھی، بعد میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مؤلفات کے ضمن میں شائع بھی ہوئی، یہ کتاب محتاج خدمت تھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطاء فرمائے ڈاکٹر فہد عبدالرحمن الرومی رحفظہ اللہ کو کہ انہوں نے اس کتاب کے لائق اور قابل مبارکباد خدمت انجام دی، جسے اہل علم کے حلقہ میں سراہا گیا جزاہ اللہ خیر الجزاء ان کی تحقیق نے کتاب کی اہمیت کو دوبالا کردیا۔

ایک مدت سے یہ خواہش تھی کہ کاش یہ کتاب اردو میں منتقل ہوجاتی تو اس کا فیض اور بھی عام ہوجاتا، چنانچہ اس عاجز نے یہ کام مولانا عزیر احمد سلمہ اللہ تعالی کے سپرد کیا، جنہوں نے پورے انہماک ولگن سے بخوبی اس کام کو انجام دیا، جس پر وہ ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، اب یہ کتاب اس لائق ہوگئی ہے کہ اردوداں طبقہ اس سے بخوبی استفادہ کرسکے، نیز وہ سورت جسے ایک عمومی مسلمان بغیر اس کے معانی کو سمجھے ہوئے سترہ مرتبہ سے زیادہ ہر روز نماز میں دہراتا تھا اسے اب سمجھ کر پڑھ سکے، اب یہ کتاب خود اپنا تعارف کرائے گی ہمیں مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔

ادارہ مدرسہ سعد بن ابی وقاص اس سے قبل بھی یقین وایمان میں تروتازگی بخشنے والی کتابوں کو شائع کرچکا ہے، اس سلسلے کی یہ پانچویں کڑی ہے، ادارے کو یہ سعادت محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے حاصل ہوئی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلے کی جملہ مساعی کو

شرف قبولیت سے نوازیں، اور ہمیں ہدایت پر گامزن رہنے اور استقامت کی توفیق بخشیں۔ آمین

شعیب احمد قاسمی

ناظم مدرسہ سعد بن ابی وقاص

یکم مئی ۱۹۹۷ء

نوٹ: کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا، کتاب کی اہمیت، نیز مستفیدین کے مسلسل تقاضوں کے پیش نظر مرکزی جمعیۃ علماء ہند، اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت وتقسیم کا شرف حاصل کر رہی ہے، اس کتاب کو چھپوانے والے تقسیم کرنے والے، نیز اس سلسلہ میں کسی طرح کا تعاون کرنے والے ہر ایک کیلئے قارئین کرام سے دعاء کی درخواست ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین حنیف کی خدمت کی توفیق دیں، اور شرف قبولیت سے نوازیں۔ آمین

عزیر احمد قاسمی

ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ علماء ہند

مقدمہ

بقلم محقق کتاب

بیشک تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں، ہم اللہ تعالی سے اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے پناہ مانگتے ہیں، جس کو وہ ہدایت دیدے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جس کو گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ معبود حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

امابعد: جب نماز دین کا ستون ہے، جس پر دین قائم ہے، تو یقینا سورہ فاتحہ نماز کا ستون ہے جس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لاَصَلاَةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ

جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔ [بخاری ومسلم]

پس جبکہ سورہ فاتحہ کا نماز میں یہ درجہ ہے اور نماز کا دین میں وہ مقام ہے [کہ وہ دین کا ستون ہے] تو دین کی اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ مسلمان ان باتوں کے معنی اور مفہوم کو جانتا ہو جس کے ذریعہ وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے، تاکہ اس کا دل پوری طرح اپنے رب کی طرف متوجہ ہو، اور اس کی نماز مقبول ہو۔

میرے دل کو اس بات سے بے حد تکلیف پہونچی جب میں نے بعض پڑھے لکھے لوگوں کو چہ جائیکہ نوعمر اور عامۃ الناس ہوں۔ انکو دیکھا کہ وہ سورہ فاتحہ کے معنی نہیں جانتے، اور نہ جانتے ہوئے بھی دن ورات میں سترہ مرتبہ سے زیادہ اس کلام کو اپنے رب کے مناجات اور سرگوشی میں دہرانے پر راضی ہیں، پس ایسے شخص کی دعاء کیسے قبول ہو، جو کلمات دعاء کے معانی

نہ جانتا ہو، شاید اکثر لوگوں کی دعاؤں کا قبول نہ ہونا، اور ان پر نماز کا اثر انداز نہ ہونا نیز ان کا نماز سے متاثر نہ ہونا، نماز کے معانی سے غفلت کے سبب سے ہو۔

نماز مشقت اور تھکاوٹ کے بعد جسمانی راحت کا سبب تھی اور ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی مشکل پیش آتی تو نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے، اور حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے فرماتے کہ اے بلال: نماز کے ذریعہ ہمیں راحت پہونچاؤ [مسند امام احمد: ۵/ ۳٦۴]

نماز کی اہمیت کے پیش نظر ہی اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ رات کا اکثر وبیشتر حصہ نماز میں گذاریں، کیوں کہ ان پر ایک بھاری ذمہ داری ڈالی جانے والی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

يَآ أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيلَ إِلَّا قَلِيلاً ، نِّصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلاً أَوزِدْ عَلَيهِ وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرْتِيلاً ، إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيكَ قَوْلاً ثَقِيلاً [سورة المزمل: ۱-۵]

اے کپڑے میں لپٹنے والے، رات کے وقت (نماز میں) کھڑے ہوجاؤ مگر کم، آدھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کرلے، یا اس پر بڑھادے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر (صاف) پڑھا کر، یقینا ہم تجھ پر بہت بھاری بات عنقریب نازل کریں گے۔

بے شک رات میں جبکہ لوگ سورہے ہوں، نماز کے لئے کھڑا ہونا، رات کے پرسکون ماحول میں قرآن کریم کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا، رات کی تاریکی میں اللہ تعالیٰ سے خوف وخشیت میں اضافہ کرنا، اور پورے گریہ وزاری کے ساتھ دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا، یہی عمال تو بھاری ذمہ داری کو برداشت کرنے کے لئے زادراہ ہیں، اور وہ بھاری ذمہ داری بہت بڑی راحت کا باعث بنی جو آپ کو حاصل ہوئی۔

کیا وجہ ہے کہ ہم میں سے اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ نماز میں بیکار مشقت اٹھاتے ہیں، اور اپنے کندھے پر عائد فریضہ کی ادائیگی سے محض چھٹکارا پانا چاہتے ہیں، اگر سلام پھیرنے سے

قبل ان کی نماز سے وابستگی اور تعلق ختم نہ ہو چکی ہو تو سلام پھیرنے کے فوراً بعد نماز سے ان کی وابستگی ختم ہو جاتی ہے، بلاشبہ محرومی کے بہت سے اسباب ہیں، منجملہ ان میں ایک بڑا سبب جس پر میرا یقین ہے کہ وہ لوگ اپنی نماز میں ایسے کلمات دہراتے ہیں جن کے نہ تو وہ معانی سمجھتے ہیں، اور نہ ہی ان کے مقاصد ومطالب کا ادراک رکھتے ہیں، اس صورتحال نے مجھے بہت بے چین کیا چنانچہ میں نے سورۃ فاتحہ کی ایک تفسیر تلاش کی جو نہ بہت طویل ہو جو اکتا دینے والی ہو، اور نہ اتنی مختصر ہو جس میں پوری معانی کا احاطہ نہ ہو، عامۃ الناس کے لئے قابل فہم ہو، اور خواص کے مطالب کو بھی پورا کرتی ہو، اگر اسے مبتدی پڑھے تو اپنی مراد پالے اور اگر اہلِ علم پڑھیں تو شہ پارے ملیں، جس میں قیمتی بحثیں اور زبردست فوائد ہوں۔

میں نے دائیں بائیں نظر ڈالی، اور بڑی بڑی تفاسیر کی ورق گردانی کی، تو میں نے ضخیم، ہلکی پھلکی قابلِ تعریف قابلِ مذمت تفسیریں پائیں، میں نے ان تفاسیر میں سے اچھی، قابل تعریف اور اچھے منہج والی تفاسیر کو گہرائی سے دیکھا، لیکن مجھے میرا مقصد نہ مل سکا، ان میں بعض تفاسیر باریک معانی اور مشکل مسائل پر مشتمل ہیں، جو عام لوگوں کی فہم سے بلند وبالا ہیں، بعض اتنی طویل ہیں جن کے لکھنے والوں نے کوئی مانوس وغیر مانوس لفظ نہیں چھوڑا ہے، ان تفاسیر کے مطالعہ کے بعد میں نے سمجھا کہ یہ میری مراد ومقصود سے ماوراء ہیں، ان میں سے بعض تفسیریں ایسی ہیں جن کا انداز بیان امتیازی ہے، لیکن اس انداز بیان سے صرف ایک خاص طبقہ مستفید ہو سکتا ہے، جبکہ دوسرا طبقہ اپنی کوتاہ فہمی کی بنا پر مستفید نہیں ہو سکتا۔

میں برابر تلاش وجستجو کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سورہ فاتحہ کی شکل میں اپنی گمشدہ متاع پالی، یہ تفسیر میرے مقصود سے بھی بلند تر ہے، اگر اس میں دو امتیازی باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا تب بھی یہ تفسیر لوگوں کی توجہ اور اس کے نشر و اشاعت کے لئے کافی تھی۔

پہلی خصوصی بات:

یہ ہے کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر اس انداز سے شروع کی ہے کہ گویا سورہ فاتحہ بندہ اور اسکے رب کے درمیان بمنزلہ مناجات وسرگوشی ہے، اور انہوں نے اپنی تفسیر میں مسلسل نماز اور فاتحہ کے درمیان رابطہ قائم رکھا، گویا کہ وہ نماز کے بعض اجزاء کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں نہ یہ کہ خصوصیت سے کسی سورت کے بارے میں لکھ رہے ہیں، یہ لطیف اسلوب کسی دوسری تفسیر میں نہیں پایا جاتا ہے۔

دوسری خصوصی بات:

یہ ہے کہ یہ تفسیر حیرت انگیز طور پر پراثر ہے جسے شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات کا گہرے غور و خوض اور یکسوئی کے ساتھ پڑھنے والا ہر قاری محسوس کرتا ہے، وہ ان تالیفات کو پڑھتا چلا جاتا ہے اور ان کی تاثیر کو بے ساختہ اپنے دل میں جاگزیں ہوتے ہوئے محسوس کرتا جاتا ہے، اور وہ تالیفات اس کے شعور وادراک میں مسلسل اترتی چلی جاتی ہیں، جیسے خواب سے بیدار ہونے والے کے ذہن میں یادداشت سرایت کرتی ہے، یہاں تک کہ اس کا نفس اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہو جاتا ہے جس سے وہ غافل تھا، یا کم از کم اس کے ذہن سے وہ حقیقت غائب ہو چکی تھی۔

میں یہ بات کسی جذباتی انداز میں نہیں لکھ رہا ہوں، اور نہ ہی کوئی نیا تصور پیش کر رہا ہوں، بلکہ یہ بات مجھ سے پہلے لوگوں نے بھی کہی ہیں، اور بعض لوگوں نے اس کا حقیقی ادراک بھی کیا ہے، چنانچہ شیخ مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ کی تالیفات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں ''حضرت شیخ کے مکتوبات میں ایک عجیب وغریب قسم کا قیمتی جوہر پایا جاتا ہے جسے ہم پورے اسلامی کتابی سرمائے میں کہیں نہیں پاتے، اگر آپ اجازت دیں تو اس جوہر کو ''روح'' سے تعبیر کروں،

''یقینا آپ کی تحریر کردہ ہر سطر تاثیر سے پر ہے، شاید اس کا سبب وہ دینی روشن احساس ہو جس نے پوری عمر شیخ کی نیندیں حرام کر دی تھیں''

استاد ندوی شیخ کی تفسیر سورہ فاتحہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''وہ بہت مختصر تفسیر ہے مگر اس کی ہر سطر میں شیخ کا جذبہ توحید واضح اور روشن ہے''(۱)

یہی وہ احساس اور جذبہ ہے جس نے مجھے اس تفسیر پر حسب استطاعت کام کر کے اس کو شائع کرنے پر مجبور کیا، چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ اس مدفون خزانے اور قیمتی جو ہر کے نکالنے میں تھوڑی سی کوشش کر کے حصہ لوں تا کہ لوگ مختلف درجات کے مطابق اگر اسے پڑھیں تو ان میں ہر ایک کو اپنا مقصود ِمطلوب حاصل ہو۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کیلئے دعاء گو ہوں کہ وہ میرے اس عمل کو اپنی ذات عالی کے لئے خالص فرمالے، اور اس کام میں جو کمی وکوتاہی رہ گئی ہو وہ اسے معاف فرمائے، بیشک وہ بہت سننے والا اور دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازنے والا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی آل واصحاب پر درود وسلام نازل فرمائے۔

د/ فہد بن عبد الرحمن بن سلیمان الرومی
رئیس قسم الدراسات القرآنیۃ
بالکلیۃ المتوسطۃ لاعداد المعلمین / الریاض

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ بات جان لیجئے (اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے بندگی کی توفیق دیں، ور اپنی حفظ وعنایت میں رکھیں، اور دونوں جہان میں محبوب رکھیں) کہ نماز کی جان اور اس کی روح، بارگاہ خداوندی میں حضوری قلب (۱) ہے، اب اگر نماز بغیر حضوری قلب کے پڑھی جائے تو وہ اس جسم جیسی ہے جس میں روح نہ ہو۔

(۱) حضوری قلب سے مراد خشوع ہے، قرآن کریم میں ہے:

اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ۔ جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں۔

مذکورہ آیت میں خشوع سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

اِخْتَلَفُوْا فِی الْخُشُوْعِ ھَلْ ھُوَ مِنْ أَعْمَالِ الْقَلْبِ کَالْخَوْفِ، أَوْمِنْ أَعْمَالِ الْجَوَارِحِ کَالسُّکُوْنِ أَوْھُوَ عِبَارَۃٌ عَنِ الْمَجْمُوْعِ علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ خشوع کا تعلق قلب سے ہے، جیسا کہ ڈرنے کا تعلق قلب سے ہوتا ہے، یا اعضاء سے جیسا کہ حرکت نہ کرنا، یا خشوع کا تعلق دونوں سے ہے۔

امام بغویؒ، شرح السنۃ میں حضرت مجاہدؒ کی تفسیر ''خشوع''، بمعنی ''سکون''، نقل کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

اَلْخُشُوْعُ فِی الْبَدَنِ وَالْبَصَرِ وَالصَّوْتِ [شرح السنۃ ۳/ ۲۵۹] خشوع جسم، نظر، آواز سب میں ہوتا ہے۔

علامہ بغویؒ کی اس وضاحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک خشوع کا تعلق اعضاء سے ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ کی اس فرمان (اَلَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

اَلْخُشُوْعُ فِی الْقَلْبِ أَنْ تَلِیْنَ کَنَفُکَ لِلْمَرْءِ الْمُسْلِمِ وَأَنْ لَاتَلْتَفِتَ فِیْ صَلَاتِکَ [سنن بیہقی: ۲/ ۲۷۹] خشوع قلب میں ہوتا ہے اور یہ کہ مسلمان کیلئے تم اپنا پہلو نرم رکھو، یعنی تواضع سے پیش آؤ اور نماز میں ادھر ادھر متوجہ نہ ہو۔

شیخ شنقیطیؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

وَھُوَفِی الشَّرْعِ یُقْصَدُ ''اَلْخُشُوْعُ'' خَشْیَۃٌ مِنَ اللّٰہِ تَکُوْنُ فِی الْقَلْبِ فَتَظْھَرُ آثَارُھَافِی الْجَوَارِحِ شریعت میں خشوع دل سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا نام ہے، جس کے آثار ونتائج اعضا پر ظاہر ہوں۔

[اضواء البیان: ۵/ ۷۵۵]

ہماری اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَا تِهِمْ سَاهُوْنَ [سورۃ الماعون:۵]

سوایسے نمازیوں کیلئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

اس آیت میں نماز کے بھلانے سے مراد:

۱۔ اس کا وقت سے بھلا دینا ہے (یعنی بے وقت پڑھنا ہے)

۲۔ یا اس میں جو امور واجب ہیں ان کو بھلا دینا ہے۔

۳۔ یا حضوریٔ قلب کے بغیر پڑھنا ہے۔ (۱)

(سہو) کی تفسیر میں مذکورہ اقوال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں ذکر فرمایا ہے۔

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے یہاں خشوع کی تفسیر میں دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کو اختیار فرمایا ہے۔

امام ابن رجبؒ نے نماز میں خشوع کے موضوع پر ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی ہے جس کا نام (الخشوع فی الصلاۃ) ہے، نیز اس موضوع پر مزید تفصیلات کیلئے امام ابن القیمؒ کی مدراج السالکین کی پہلی جلد صفحہ ۵۲۰ کا مطالعہ بھی نہایت مفید ہے۔

(۱) شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان (فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ) میں سہو کی تفسیر میں عدم حضوری قلب کو اختیار کیا ہے۔

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں سہو کی تفسیر کرتے ہوئے، مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ أَهْلُ التَّأْوِيْلِ فِيْ مَعْنىٰ قَوْلِهِ: عَنْ صَلَا تِهِمْ سَاهُوْنَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: عُنِيَ بِذٰلِكَ أَنَّهُمْ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا فَلَا يُصَلُّوْنَهَا إِلَّا بَعْدَ خُرُوْجِ وَقْتِهَا۔

مفسرین کا اللہ تعالی کے اس قول ''عن لاتھم ساھون'' کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

پہلا قول:

بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کو اسکے وقت پر ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے وقت کے نکل جانے کے بعد ادا کرتے ہیں۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ، تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا كَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيْ شَيْطَانٍ قَامَ فَنَقَرَ أَرْبَعاً لَا يَذْكُرُ اللهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلاً [مسلم:۱/۴۳۴]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ منافق کی نماز ہے، وہ منافق کی نماز ہے، وہ منافق کی نماز ہے؟ کہ نمازی سورج کو دیکھتا رہتا ہے جب وہ شیطان کی دونوں سینگوں کے درمیان میں ہوجاتا ہے تو کھڑے ہو چار ٹھونگیں مار لیتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے۔

اس حدیث میں مذکورہ تینوں تفسیروں کی تائید ملتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا: (یرقب الشّمس) سورج کا انتظار کرتا ہے، کہ کب ڈوبنے والا ہے، تاکہ ڈوبنے سے پہلے پڑھ لے، حدیث کے اس فقرے سے وقت ضائع کرنے کی تائید ہوتی ہے۔ (یعنی بعض مفسرین نے اپنے تفسیروں میں ''ساہون''

امام طبریؒ، نے اس قول کی تائید میں حضرت مصعب بن سعدؒ، کا قول نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قُلْتُ لِأَبِيْ: أَرَأَيْتَ قَوْلَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ (اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ) أَهِيَ تَرْكُهَا؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنْ تَأْخِيْرُهَا عَنْ وَقْتِهَا

حضرت مصعب بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ) کا مطلب نماز کا چھوڑنا ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرنا ہے۔

ایک دوسری روایت بھی حضرت مصعب بن سعد سے نقل ہے وہ فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِسَعْدٍ: (اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَا تِهِم سَاهُوْنَ) أَهُوَ مَا يُحَدِّثُ بِهِ أَحَدُنَا نَفْسَهُ فِيْ صَلَاتِهِ؟ قَالَ لَا وَلٰكِنْ السَّهْوُ يُؤَخِّرُهَا عَنْ وَقْتِهَا

میں نے سعد سے کہا کہ [اَلَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ] سے مراد وہی ہے جو ہم میں کوئی اپنی نماز میں اپنے نفس سے گفتگو کرتا ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ سہو سے مراد نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرنا ہے۔

ایک تیسری روایت حضرت عبداللہ عباسؓ سے نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں

اَلَّذِيْنَ يُؤَخِّرُوْنَهَا عَنْ وَقْتِهَا

جو لوگ نماز کو اس کے وقت پر ادا نہیں کرتے۔

دوسرا قول: پھر امام طبریؒ نے آیت سے متعلق مفسرین کا دوسرا قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

وَقَالَ آخرُوْنَ:بل عُنِيَ بِذَلِکَ أَنّھُمْ یَترُکُوْنَھَا فَلَا یُصَلُّوْنَھَا

مفسرین کی دوسری جماعت یہ کہتی ہیکہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جوتارک نماز ہیں یعنی وہ لوگ نماز پڑھتے ہی نہیں۔

پھرامام طبریؒ نے اس رائے کے حاملین کی روایتیں نقل کی ہیں۔

تیسرا قول: پھرامام طبری نے تیسری جماعت کا قول نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

وَقَالَ آخرُوْنَ: بَلْ عُنِيَ بِذَلِکَ أَنّھُمْ یَتَھَاوَنُوْنَ بِھَا وَ یَتَغَافَلُوْنَ عَنْھَا

مفسرین کی دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جونماز سے غفلت ولا پرواہی برتتے ہیں۔

پھرامام طبریؒ نے اس رائے کے حاملین کے دلائل پیش کئے ہیں:

امام طبریؒ کے نزدیک راجح قول:

ان اقوال کے ذکر کرنے کے بعد اخیر میں امام طبری۔رحمۃ اللہ علیہ۔نے اپنے نزدیک راجح قول کو یوں ذکر کیا ہے :

وَأَوْلٰی الأَقْوَالِ فِیْ ذٰلِکَ عِنْدِیْ بِالصَّوَابِ بِقَوْلِه : (سَاھُوْنَ) لَاھُوْنَ مُتَغَا فِلُوْنَ عَنْھَا وَفِي اللَّھْوِ عَنْھَا وَالتَّشَاغُلِ بِغَیْرِ ِھا: تَضْیِیْعُھَا أَحْیَاناً، وَتَضْیِیْعُ وَقْتِھَا أُخْریٰ اِذَا کَانَ ذٰلِکَ کَذَلِکَ صَحَّ بِذٰلِکَ قَوْلُ مَنْ قَالَ: عُنِيَ بِذَلِکَ تَرْکُ وَقْتِھَا، وَقَوْلُ مَنْ قَالَ: عُنِيَ بِهِ تَرْکُھَا لِمَا ذَکَرْتُ مِنْ أَنَّ فِي السَّھْوِ عَنْھَا اَلْمَعَانِيَ اَلَّتِيْ ذَکَرْتُ۔

اس مسئلے میں میرے نزدیک سب سے عمدہ اور راجح قول ان لوگوں کا ہے جوسہو کی تفسیر نماز سے غفلت برتنے سے کرتے ہیں، کیونکہ نماز سے غفلت برتنے اور اس کے علاوہ دوسرے کاموں میں مشغول رہنے سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی نماز نہیں پڑھتا، اور کبھی کبھی بے وقت پڑھتا ہے، اگر یہ صحیح ہے تو پھر ان لوگوں کا قول صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد تاخیر کرنا ہے، اور ان کا بھی قول صحیح ہے جن کی مراد یہ ہے کہ بالکل نماز نہیں پڑھتا کیوں کہ جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ سہوان دونوں معانی پر مشتمل ہے۔

پھرامام طبری رحمۃ اللہ نے اپنی ترجیح پر بطور دلیل دو حدیثیں پیش کی ہیں۔

عَنْ سَعَدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ:سَأَلْتُ النبیؐ عَنِ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ قَالَ: ھُمُ الَّذِیْنَ یُؤَخِّرُوْنَ الصَّلَاۃَ عَنْ وَقْتِھَا۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے (الذین ھم عن صلاتھم ساھون) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتے ہیں۔

کی تفسیر یوں کی ہے کہ ان نمازیوں کی ہلاکت ہو جو بے وقت نماز پڑھتے ہیں)۔

[حدیث پاک کے دوسرے فقرے میں منافق کے نماز کی حالت یوں بیان کی گئی ہے کہ ٹھونگیں مارتا ہے [یعنی جلدی جلدی پڑھتا ہے، جیسے مرغی جلدی جلدی چونچ مار کر دانا اٹھاتی ہے، ظاہر ہے کہ جب انسان اتنی جلدی جلدی نماز پڑھے گا تو ارکان نماز اس سے چھوٹیں گے]

حدیث پاک کے تیسرے فقرے میں منافق کی نماز کے بارے میں فرمایا گیا ہے [لَایَذْکُرُ اللہَ فِیْھَا اِلَّا قَلِیْلاً] یعنی حالت نماز میں اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتا ہے [اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بغیر دل لگائے نماز پڑھتا ہے]

جب آپ نے قرآن کی اس آیت [فَوَیْلُ لِّلْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ] کی تفسیر اور حدیث پاک کی تشریح سمجھ لی، تو اب نماز کے ایک رکن [یعنی سورۃ فاتحہ کے بارے میں

عَنْ أَبِی بَرْزَۃَ الأَسْلَمِیّ رَضِیَ اللہُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ: لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الآیَۃُ [اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ] قَالَ: اللہُ أَکْبَرُ ھٰذِہٖ خَیْرٌ لَکُمْ مِنْ أَنْ لَوْ أُعْطِیَ کُلُّ رَجُلٍ مِنْکُمْ مِثْلَ جَمِیْعِ الدُّنْیَا ھُوَ الَّذِیْ اِنْ صَلّٰی لَمْ یَرْجُ خَیْرَ صَلَاتِهٖ وَاِنْ تَرَکَھَا لَمْ یَخَفْ رَبَّهُ [تفسیر طبری: ۳۰/۲۰۱]

حضرت ابو برزہ اسلمی سے مروی ہے کہ جب یہ آیت (اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ) نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ اکبر یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو پوری دنیا کے برابر دیدیا جائے، اس آیت [اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ] سے مراد وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھے تو اس سے بھلائی کی امید نہ رکھے، اور اگر چھوڑے تو اپنے رب سے نہ ڈرے۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے شرح مسلم میں آپ ﷺ کے اس قول: (بَیْنَ قَرْنَیِ شَیْطَانٍ) کو مجاز پر محمول نہ کرتے ہوئے حقیقت پر محمول کیا ہے پھر فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ أَنَّهُ یُحَاذِیْھَا بِقَرْنَیْهِ عِنْدَ غُرُوْبِھَا وَکَذَا عِنْدَ طُلُوْعِھَا لأَنَّ الْکُفَّارَ یَسْجُدُوْنَ لَھَا حِیْنَئِذٍ فَیُقَارِنُھَا لِیَکُوْنَ السَّاجِدُوْنَ لَھَا فِیْ صُوْرَۃِ السَّاجِدِیْنَ لَهُ وَیُخَیِّلُ لِنَفْسِهٖ وَلِأَعْوَانِهٖ أَنَّھُمْ اِنَّمَا یَسْجُدُوْنَ لَهُ۔

مطلب یہ ہے کہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت شیطان اپنی دونوں سینگوں سمیت اس کے مقابل ہوجاتا ہے اس لئے کہ کفار انہیں دونوں اوقات میں سورج کو سجدہ کرتے ہیں، تو شیطان سورج سے قریب ہوجاتا ہے، تاکہ سورج کو سجدہ کرنے والے ایسے معلوم ہوں کہ شیطان کو سجدہ کر رہے ہیں، شیطان اس طریقہ کار کو اپنا کر خود اپنے آپ کو اور اپنے چیلے چپاٹوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ لوگ اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

کچھ سمجھ لیجئے۔شاید اللہ تعالیٰ آپ کی نماز کو مقبولین کی نماز میں کر دیں۔جس کا اجر وثواب دوگنا ہے اور جو گناہوں کو مٹانے والی ہے(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث جو صحیح مسلم میں ہے وہ سورہ فاتحہ کو سمجھنے کے سلسلے میں بڑی رہنمائی کرتی ہے: حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل کا یہ قول فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم کر دی ہے۔(۲) میرا بندہ جو سوال کرتا ہے وہ پورا کیا جاتا ہے، جب

---

(۱) بہت سی احادیث مبارکہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ نماز گناہوں کو مٹا دیتی ہے ان میں سے۔ایک حدیث وہ ہے جس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْ كُلِّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ هَلْ يَبْقىٰ مِنْ دَرَنِهِ شَيْئٌ؟ قَالُوْا: لَا يَبْقىٰ مِنْ دَرَنِهِ شَيْئٌ۔ قَالَ: فَذٰلِکَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُوْ اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔] بخاری ومسلم]

تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر بہتی ہو، وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو، کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہ سکتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ارشاد فرمایا نہیں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہی مثال پانچوں نمازوں کی ہے اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

دوسری حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ قَالَ: اَلصَّلَواتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرِ [مسلم شریف]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ، اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان درمیان کے لئے کفارہ ہیں۔اگر کبیرہ گناہ سے بچا جائے۔

(۲) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نماز سے مراد سورۃ فاتحہ ہے، سورۃ فاتحہ کا نام نماز اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حج میں وقوف عرفہ کی اہمیت کے پیش نظر فرمایا کہ ''الحج عرفۃ'' کہ حج وقوف عرفہ کا نام ہے۔

اس حدیث سے سورہ فاتحہ کے نماز میں پڑھنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تقسیم سے مراد معنوی تقسیم ہے اس لئے کہ سورہ فاتحہ کے نصف اول میں اللہ تعالیٰ کی حمد وتعریف اس کی بزرگی و مالکیت کا ذکر ہے۔اور نصف ثانی میں سوال طلب محتاجگی اور بندے کی عاجزی کا ذکر ہے [مسلم مع شرح نووی: ۲/ ۱۰۳]

بندہ [اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ] کہتا ہے تو اللہ عزوجل جل فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری تعریف کی، اور جب وہ [اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ] کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندہ نے میری توصیف کی، اور جب [مَالِکِ يَوْمِ الدِّيْنِ] کہتا ہے تو اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ میرے بندہ نے میری عظمت بیان کی، جب وہ [ایاک نعبد و ایاک نستعین] کہتا ہے تو اللہ عزوجل کہتا ہے یہ میرا اور میرے بندے کا معاملہ ہے، میرا بندہ جو مانگے گا وہ اسے دیا جائے گا۔ پھر جب [اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ] پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لئے ہے، وہ جو کچھ طلب کرے گا اسے دیا جائے گا۔(۱)

جب بندہ سورہ فاتحہ پر غور کرتا ہے تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس کے دو حصے ہیں، پہلا حصہ اللہ تعالیٰ کا شروع سے لے کر (ایاک نعبد) تک ہے، اور دوسرا حصہ بندے کا ہے جو دعا ہے، جسے بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے، اگر آپ اس کی گہرائی میں جائیں گے تو یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ وہ اللہ ہی کی ذات تو ہے جس نے انسان کو اس طرف رہنمائی عطا فرمائی، اور اس حقیقت سے آگاہ کیا، اور اس کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگے، اور ہر رکعت میں نمازی اس کو دہرائے، اور یہ اللہ کی شان کریمی ہی تو ہے کہ جب اس کا بندہ خشوع، خضوع، اخلاص یکسوئی اور حضوری قلب کے ساتھ دعا کرتا ہے تو وہ دعا کو قبولیت کی ضمانت دیتا ہے، اور اس

(۱) مسلم شریف: ۱/ ۲۹۶

(۲) امام ابن القیمؒ نے اس موقعہ پر نہایت عمدہ بحث کی ہے، بلکہ آب زر سے لکھنے والی بات کہی ہے جسے مسلمانوں کو حفظ کر لینا چاہئے ان کے کلام سے چند ٹکڑے تحریر کر رہا ہوں فرماتے ہیں:

یہاں ایک عجیب قابل التفات نکتہ ہے اس نکتے سے باخبر وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کے معانی اور اسماء و صفات کے عجائبات پر غور فکر کرتے ہیں، اور اس غور فکر کے نتیجے میں ایمان کی حلاوت وشیرینی سے ان کے قلوب لطف اندوز ہوتے ہیں، ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت کو جو اس نے سورہ فاتحہ میں بیان کی ہے برمحل پاتے ہیں۔

چنانچہ جب نماز کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سیدھے کھڑے ہوتے ہیں تو اپنے قلب سے اللہ تعالیٰ کی قیومیت کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور جب اللہ اکبر کہتے ہیں تو اس کی کبریائیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔اور جب (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) کہتے ہیں تو ایک مضبوط پناہ گاہ کو اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔

اور شیطان سے جوان کو اللہ تعالیٰ سے کاٹنے اور اللہ تعالیٰ کی قربت سے دور کرنے کے لئے آمادہ پیکار رہتا ہے اس کے شر سے بچنے کے لئے اور اس کو بدحال کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی قوت کو اپنی پناہ گاہ بنا لیتے ہیں، پھر جب بندہ (اَلْحَمْدُ للهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ) کہتا ہے، تو تھوڑی دیر توقف کرتا ہے، اپنے رب کے جواب کا منتظر رہتا ہے جو یہ کہتا ہے (حَمَدَنِیْ عَبْدِیْ) میرے بندے نے میری تعریف کی۔

پھر بندہ (اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کہتا ہے، اور اپنے رب سے جواب کا منتظر رہتا ہے جو یہ کہتا ہے (أَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ) میرے بندے نے میری تعریف کی۔

پھر جب بندہ کہتا ہے (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) تو اپنے رب کے جواب کا انتظار کرتا ہے جو یہ کہتا ہے (مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ) میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی۔

ایسی حالات میں بندہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، نفس کا سرور، قلب کی حلاوت کا حال مت پوچھو، جس کا رب اسے تین بار ''میرے بندے'' کہکر پکارتا ہو، پس خدا کی قسم اگر دلوں پر شہوتوں کا غبار، اور نفسانیت کی بدلی نہ چھائی ہوئی ہو تو اپنے رب، خالق ومعبود کے ان تینوں جوابات، میرے بندے نے میری حمد کی، میرے بندے نے میری تعریف کی، میرے بندے نے میری بڑائی بیان کی، کو سنکر بندہ خوشی وشادمانی سے جھومنے لگے۔

پھر بندے کے قلب کو ان تینوں ناموں: اللہ، رب، رحمن (جو کہ اسمائے حسنی میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں) کے مشاہداتی کیفیت کا حصول ہوتا ہے۔

امام ابن القیم۔رحمۃ اللہ علیہ۔ نے ان مشاہداتی کیفیات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اخیر میں فرماتے ہیں: پھر جب بندہ (مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) کہتا ہے تو اس وقت ایسی بزرگی اور بڑائی کا مشاہدہ کرتا ہے جو مالک حقیقی کے علاوہ کسی کے لئے مناسب نہیں، اس وقت بندہ ایسے طاقتور بادشاہ کا مشاہدہ کرتا ہے جس کے سامنے مخلوق کی پیشانیاں سرنگوں ہیں، اور جس کی عظمت کے سامنے بڑے بڑے ظالم وجابر ذلیل خوار ہیں، غالب آنے والی طاقت اس کے سامنے مغلوب ہے۔

تو گویا بندہ اپنے قلب سے ایسے بادشاہ کا مشاہدہ کرتا ہے، جو عرش آسمان پر متمکن اور غالب ہے، جس کی عزت کے لئے چہرے غبار آلود اور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

پھر جب بندہ (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ) کہتا ہے، تو اس آیت میں دنیا وآخرت کے اور مخلوق کے پیدا کرنے اور ان پر حکم چلانے کا راز پوشیدہ ہے، آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا اعلی مقاصد اور افضل وسیلے پر مشتمل ہے، سب سے اعلیٰ مقصد بندے کا بندہ ہونا ہے، اور اس کے لئے سب سے افضل وسیلہ بندے کی مدد ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں، اور اس کے علاوہ اس کی عبادت کیلئے کوئی مددگار نہیں، اس کی عبادت اعلیٰ مقصد ہے، اور اس کی مدد سب سے عمدہ وسیلہ ہے۔

پر یہ حقیقت بھی آشکار ہو جائے گی کہ کتنے ہی لوگ اس سے محروم رہتے ہیں۔(۲)

قَدْ هَيَّئُوْكَ لِأَمْرٍ لَوْ فَطِنْتَ لَهُ۔ فَارْبَأْ بِنَفْسِكَ أَنْ تَرْعیٰ مَعَ الْهَمَلِ

تم کو (قضاء وقدر) نے عظیم کام کے لئے پیدا کیا ہے کاش کہ تو اسے سمجھ لے، اور اپنے آپ کو لاپرواہوں کے ساتھ گھومنے سے باز رکھ۔

وَأَنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ عَمَّا خُلِقْتَ لَهُ۔ وَأَنْتَ فِیْ ثِقَةٍ مِنْ وَثْبَةِ الْأَجَلِ

اور تم اس بات سے غافل ہو جس کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ تمہیں موت کے اچانک آجانے کا پورا یقین ہے۔

فَزَكِّ نَفْسَكَ مِمَّا قَدْ يُدَنِّسُهَا وَاخْتَرْ لَهَا مَا تَرٰی مِنْ خَالِصِ الْعَمَلِ

پس نفس کو ان چیزوں سے پاک کرو جو اسے آلودہ کرتی ہیں اور اس کے لئے جو تم مناسب سمجھو اچھے اعمال اختیار کرو۔

أَأَنْتَ فِیْ سَكْرَةٍ أَمْ أَنْتَ مُنْتَبِهاً۔ أَمْ غَرَّكَ الْأَمْنُ أَمْ أَلْهَيْتَ بِالْأَمَلِ (۱)

تم حالت نشہ میں ہو؟ یا بیدار ہو؟ یا تمہیں امن والی حالت نے دھوکہ میں ڈال دیا ہے یا پھر امید کی وجہ سے لاپرواہی کر رہے ہو۔

یہاں میں اس عظیم سورت کے اہم نکات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، شاید آپ پورے

یہ آیت توحید کی دونوں قسموں، توحید ربوبیت، وتوحید الوھیت، پر مشتمل ہے رب، اور اللہ دونوں لفظ معبود ہونے پر مشتمل ہیں بس بندہ اس کے اللہ ہونے کی وجہ سے اس کی عبادت کرتا ہے، اور رب ہونے کی وجہ سے اس سے مدد طلب کرتا ہے، اور رحمان ہونے کی وجہ سے اس سے ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے۔

اب اگر غور کیا جائے تو سورہ فاتحہ کے شروع میں اللہ، رب، رحمان کا ذکر ہے، اور یہ بندہ کے حال کے بالکل مطابق ہے، بندہ صرف اسی کی عبادت کرتا ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے، اسی سے ہدایت طلب کرتا ہے، اور صرف اللہ رب العزت ہی کی ذات ان تینوں باتوں کی توفیق دینے والی ہے، چنانچہ صرف اسی کی عبادت کی توفیق، اور ہدایت کی توفیق صرف اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔

پھر نمازی بندہ (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) کہہ کر طلب ہدایت کے لئے اپنی شدید محتاجگی اور ضرورت کا اظہار کرتا ہے، درحقیقت ہدایت کے لئے بندہ جتنا محتاج ہے کسی دوسری چیز کے لئے نہیں، نیز وہ اس کے لئے ہردم اور ہر گھڑی محتاج ہے، پھر اس ہدایت کے اہل وہی لوگ ہیں جو اسکے انعام سے بہرور ہیں، نہ کہ (اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ) جنہوں نے حقوق جانتے ہوئے بھی اس کی اتباع نہیں کی، اور نہ ہی (الضالین) جنہوں نے بغیر علم کے اللہ کی عبادت کی، پس ان دونوں جماعتوں کا اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے حکم، اس کے اسماء وصفات کے بارے میں ایک ہی موقف ہے، رہے وہ لوگ جو انعام خداوندی سے بہرہ ور ہوئے ان کا راستہ اہل باطل کے راستے سے علم اور عمل دونوں اعتبار سے مختلف ہے۔

خشوع وخضوع ،مکمل انہاک ،کامل یکسوئی ،اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کر سکیں ،شاید آپ کی زبان سے جو کلمات ادا ہوں وہ دل کی گہرائیوں میں اتر سکیں ،کیوں کہ وہ بات جو زبان سے ادا ہو اور قلب میں پیوست نہ ہو وہ ایک بے سود عمل ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَالَيْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وہ زبانوں سے کچھ کہتے ہیں جو ،ان کے دلوں میں نہیں (الفتح:۱۱)

استعاذہ: (اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) اور بسملہ (بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) پڑھنے کا مفہوم اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

(اَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) کا مفہوم یہ ہے کہ میں دشمن (شیطان) کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ،اور اس کے گوشہ عافیت میں آتا ہوں قبل اس کے کہ یہ دشمن مجھے دین میں یا دنیا میں ضرر پہنچائے ،یا مجھے ان کاموں سے روکے جن کا مجھے حکم دیا گیا ہے ،یا ایسے کاموں پر اکسائے جن سے مجھے منع کیا گیا ہے ،کیوں کہ جب بھی بندہ نماز یا قرآن کی تلاوت ارادہ کرتا ہے تو شیطان بہت زیادہ غصے میں آتا ہے ،اس لئے شیطان اور اس کے شر کو دفع کرنے کی سب سے زیادہ کارگر تدبیر یہی ہے کہ اللہ کی پناہ مانگی جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ [الاعراف ۲۷] وہ شیطان اور اس کے ساتھی تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

جب آپ شیطان سے بچنے کے لئے اللہ کی مدد چاہیں گے ،اور اللہ تعالیٰ سے تعلق مستحکم کریں گے ،تو یہ حضوری قلب کا سبب بنے گا ،آپ کو اس کلمہ (استعاذہ) کی گہرائیوں میں اتر جانا چاہئے ،صرف زبان ہی سے اس کی ادائیگی کافی نہیں جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے (۱)

بسملہ (بسم اللہ) کے معنی ہیں کہ میں اس کام کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں چاہے

جب بندہ اس تعریف ،اور دعاء واعلان توحید سے فارغ ہوا ،تو اس کو شرعا یہ حکم دیا گیا کہ آمین کہہ کر اپنی ان باتوں پر مہر لگادے ، جو اس کے لئے حقیقی مہر کی طرح ہو ،اور اس آمین کہنے میں آسمان میں آسمانی فرشتوں کی موافقت کرے ،آمین کہنا نماز کی زینت ہے۔

(۱) ان اشعار کو پہلی کڑی لامیۃ العجم جو طغرائی کی تصنیف ہے اس میں موجود ہے ،بقیہ تین کڑیاں اس کتاب میں نہیں ہیں (لامیۃ العجم ۔۶۔۵)

تلاوت قرآن ہو ،یا ذکر ہو ،یا اس کے علاوہ کوئی اور کام (بسم اللہ) پڑھ کر اعلان کیا جاتا ہے کہ میرے پاس کچھ بھی طاقت وقوت نہیں ،میں تو یہ کام اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے اور اس کے بزرگ و برتر نام سے برکت حاصل کرتے ہوئے شروع کرتا ہوں ،ہر دینی اور دنیوی کام شروع کرتے ہوئے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا چاہئے۔

جب قرأت کی ابتداء اللہ کے نام سے ہوگی اور درماندگی ،عاجزی کے احساس کے ساتھ اللہ سے مدد مانگی جائیگی ،تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ دل یکسو ہو جائے گا ،حضوری قلب کی کیفیت پیدا ہوگی ،مزید یہ کہ بھلائیوں کی انجام دہی میں جو رکاوٹیں ہوں گی وہ دور ہو جائیں گی۔

[الرحمن الرحیم] یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں ،ایک لفظ دوسرے لفظ سے زیادہ بلیغ

---

(۱) اس کلمہ کے معانی پر غور فکر کرنے ،اور اس کی قدر ومنزلت تک رسائی کے لئے ان آیات پر غور کیجئے جن میں اللہ تعالیٰ نے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ [سورۃ الاعرف ۲۰۰ ،سورۃ فصلت:۳۶] اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ [سورۃ النحل:۹۸] سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے۔

تیسری جگہ ارشاد فرماتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ [سورۃ المؤمنون:۹۷،۹۸] اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے ،اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں۔

اور اگر آپ عمران کی بیوی کی دعاء پر غور کریں ،جس کی آنکھوں سے اپنی بچی (مریم) کو دیکھ کر آنسو امڈ آئے تھے ،ان کو درج ذیل دعاء سے بلند کوئی بات نہ ملی

وَاِنِّیْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ [سورۃ آل عمران:۳۶] اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو

اگر آپ مذکورہ تمام آیات پر غور کریں تو آپ کو ان کلمات کی حقیقت کا اندازہ ہوجائے گا۔

ہے، جیسے علام اور علیم، حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام [رقیق] ہیں (۱) رحمت کے معنی ایک میں دوسرے سے زیادہ پائے جاتے ہیں۔

سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں ساڑھے تین آیتں اللہ تعالی کے لیئ، اور ساڑھے تین آیتیں بندہ کے لیئ (۱) پہلی آیت (**اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰالَمِیْنَ**) ہے۔

یہ جان لینا چاہیے کہ (الحمد) کا مطلب زبان سے کسی اچھی چیز یا اچھے عمل کی تعریف کرنا ہے، زبان سے تعریف کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی تعریف کرنا چاہیے، جیسے لسان حال کہتے ہیں، یہ بھی شکر کی ایک قسم ہے (جمیل ختیاری) سے مراد ہر وہ اچھا کام ہے جسے انسان اپنے ارادے اور اختیار سے انجام دیتا ہے، اور وہ اچھی چیز جس میں کسی کے عمل کو دخل نہیں ہے

---

(۱) حکام القرآن قرطبی: ۱/۱۰۶، تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰

امام قرطبیؒ نے اس قول پر نوٹ لکھا ہے فرماتے ہیں:

امام خطابیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر بڑی مشکل ہے، کیونکہ لفظ ''رقت'' کا اللہ تعالیٰ کی صفات میں کہیں ذکر نہیں، حسین بن فضل بجلی فرماتے ہیں کہ جس نے بھی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ''رقت'' کا لفظ نقل کیا ہے اس کو شبہ ہوا ہے، کیوں کہ ''رقت'' اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے نہیں ہے، اصل یہ کہ دونوں صفتیں (رحمن، رحیم) ''رفق'' نرمی پر دلالت کرتی ہیں، اس میں سے ایک میں فرمی کے معنی دوسرے سے زیادہ پائے جاتے ہیں، اور (رفق) اللہ کی صفات میں سے ہے آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّ فْقَ وَیُعْطِیْ عَلٰی الرِّفْقِ مَالاَ یُعْطِيْ عَلٰی الْعُنْفِ [تفسیر قرطبی: ۱۰۶۱]

اللہ تعالیٰ مہربان ہیں نرمی کو پسند فرماتے ہیں، نرمی پر جو چیز مرحمت فرماتے ہیں، شدت پر نہیں فرماتے۔

محقق کتاب کہتے ہیں: امام طبری نے اپنی تفسیر [جامع البیان میں ۱/۱۲۹] اور امام سیوطی نے اپنی تفسیر [درمنثور: ۱/۸-۹] میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اس روایت کا، جس میں لفظ ''رقیق'' وارد ہوا ہے، ذکر کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ اَلْفَعْلاَنُ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَھُوَ مِنْ کَلاَمِ الْعَرَبِ، قَالَ: اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلرَّفِیْقُ اَلرَّقِیْقُ بِمَنْ أَحَبَّ أَنْ یَرْحَمَہُ وَالْبَعِیْدُ الشَّدِیْدُ عَلٰی مَنْ أَحَبَّ أَنْ یُعَنِّفَ عَلَیْہِ وَکَذٰلِکَ أَسْمَاؤہ کُلُّھَا

رحمان فعلان کے وزن پر رحمت سے مشتق ہے، اس کا استعمال کلام عرب میں ہے، رحمان اور رحیم کے معنی رفیق ورقیق کے ہیں، اللہ تعالی ان لوگوں کے لیے مہربان ہیں جو اس کی مہربانی پسند کرتے ہیں، اور ان لوگوں کے لیے دور اور سخت ہیں جو اپنے اوپر سختی پسند کرتے ہیں، اللہ تعالی کے تمام اسماء اسی طرح ہیں۔

مذکورہ روایت میں رقیق کا لفظ وارد ہو ہے، لیکن امام کثیرؒ نے اس حدیث کی سند پر کلام کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

فَإِنَّ فِیْ إِسْنَادِہِ ضَعْفاً وَانْقِطَاعاً [تفسیر ابن کثیر ۱: ۱۱۳]

اس کی سند میں کمزوری اور انقطاع ہے۔

جیسے کہ جمال وغیرہ تو اس کی تعریف کرنے کو مدح کہتے ہیں، حمد نہیں کہتے، حمد اور شکر میں یہ فرق ہے کہ حمد اس تعریف کو کہتے ہیں جس میں محمود کی اچھائیوں کا ذکر ہو چاہے حامد پر اس نے کوئی احسان کیا ہو یا نہ کیا ہو، رہا شکر تو وہ کسی احسان کے جواب میں ادا کیا جاتا ہے، حمد معنی کے اعتبار سے شکر کے مقابلے میں عام ہے۔

مگر اللہ تعالی کی حمد تو اس کے اچھے ناموں کے ضمن میں بھی کی جاتی ہے، اور اس نے دنیا اور آخرت میں جو بھی تخلیق کی ہے اس پر بھی وہ حمد کے لائق ہے، اسی لئے کہا گیا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّہٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ [الاسراء: ۱۱۱]

تعریف ہے اس اللہ کے لئے جس نے نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کوئی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [الانعام: ۱۰]

تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے

اس کمزوری اور انقطاع کی وضاحت محدث احمد محمد شاکرؒ نے اپنی تحقیق کردہ تفسیر طبری میں کیا ہے تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کریں [تفسیر طبری: ۱/۱۱۳] اس کتاب کی تحقیق میں چونکہ میرے پیش نظر اختصار ہے اس وجہ سے مفصل کلام کو ترک کرتا ہوں۔

(۱) امام سیوطیؒ اپنی تفسیر [درمنثو: ۱/۶-۷] میں رقمطراز ہیں:

امام طبرانی نے اپنی معجم اوسط میں حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت نقل کی ہے حضرت ابیؓ فرماتے ہیں:

قَرَأَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاتِحَۃَ الْکِتَابِ ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَبُّکُمْ: اِبْنَ آدَمَ أَنْزَلْتُ عَلَیْکَ سَبْعَ آیَاتٍ: ثَلاَثٌ لِیْ، وَثَلاَثٌ لَکَ، وَوَاحِدَۃٌ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ، فَأَمَّا الَّتِيْ لِيْ فَـ [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الرَّحْمٰنَ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ] وَالَّتِیْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ [اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ] مِنْکَ الْعِبَادَۃُ وَعَلَيَّ الْعَوْنُ لَکَ، وَأَمَّا الَّتِیْ لَکَ [اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ أَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ]

نبی کریم ﷺ نے سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: تمہارا رب کہتا ہے ابن آدم میں نے تم پر سات آیتیں اتاریں، تین میرے لئے ہیں، اور تین تمہارے لئے، اور ایک میرے اور تمہارے دونوں کے لئے، جو آیتیں میرے لئے ہیں وہ یہ ہیں [اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ] اور جو آیت میرے اور تمہارے درمیان ہے وہ یہ ہے [اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ] اور جو آیتیں تمہارے لئے ہیں وہ یہ ہیں [اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلاَ الضَّآلِّیْنَ]

اسی طرح کی قرآن میں اور بھی بہت سی آیات ہیں، جہاں تک شکر کا تعلق ہے وہ عطاء نوازش اور انعام پر ادا کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے شکر حمد سے زیادہ خاص ہے، البتہ شکر کیلئے یہ ضروری ہے کہ دل ہاتھ (اعضاء وجوارح) اور زبان سب اس کی گواہی دے رہے ہوں، یعنی دل اس پر آمادہ ہو، اور زبان اس کا اعلان کر رہی ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِعۡمَلُوۡا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا [سباء:۱۳] اے آل داوٗد عمل کرو شکر کے طریقے پر۔

حمد کا تعلق زبان سے بھی ہے اور دل سے بھی، اس طرح شکر [معنی کے اعتبار سے] اپنی اقسام کی وجہ سے زیادہ عام ہے، اور حمد اپنے اسباب کی وجہ سے۔

[الحمد] میں الف اور لام استغراق کے لئے ہے، یعنی ہر طرح کی تعریفیں صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے ہیں، کسی اور کے لئے نہیں، جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے جن میں مخلوق کا کچھ عمل دخل ممکن نہیں مثلاً انسان کی تخلیق، اور اس کا نعمت سمع وبصر نوازا جانا، آسمان اور زمین کی پیدائش، رزق رسانی، ظاہر ہے کہ ایسے امور میں کون کلام کر سکتا ہے، یہ تو ایک بدیہی امر ہے، جہاں تک ان امور کا تعلق ہے جن میں انسان کی تعریف وستائش کی جاتی ہے مثلا حضرات انبیاء کرام کی تعریفیں اور صلحاء امت کی خدمات جلیلہ کو خراج تحسین پیش کرنا، تو یہ دراصل سب اللہ ہی کی تعریف ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اسی نے ان نیک کاموں کے کرنے والوں کو پیدا کیا، اسی نے انہیں یہ اوصاف عطا کئے، انہیں ترغیب دی، اور کاموں کو انجام دینے کی قوت وصلاحیت عطا فرمائی۔

اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار نوازشیں ہیں، اگر ان میں سے بعض چیزیں حامد کو حاصل نہ ہو سکیں تو بھی ''محمود'' کی تعریف کا حق ادا نہیں ہوتا، اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

الحمد کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے: [لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ] لفظ اللہ اسم علم ہے، اور اس کے معانی ''الہٰ''، یعنی معبود کے ہیں (۱)۔

ایک جگہ یوں ارشاد ہوا ہے:

وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الۡاَرۡض اور وہی اللہ آسمانوں اور زمین [الانعام:۳] یعنی وہ آسمانوں اور زمین دونوں میں معبود ہے

اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰ تِ وَ الۡاَ رۡضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا [مریم:۹۳] آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں آدمی، جن، فرشتے، اور جانور سب اس کے سامنے غلام ہے [بندہ ناچیز] بن کر حاضر ہوں گے

رب کے معنی ہیں وہ جو کہ مالک ہو، متصرف ہو، اور (العالمین) کے معنی میں ہر وہ چیز شامل ہوگی جو اللہ کے علاوہ ہو، یعنی تمام مخلوقات: مثلاً ملائکہ انس وجن وغیرہ۔ سب کی سب اسی کے ماتحت ہیں، وہی ان کی پرورش کر رہا ہے سب مجبور و بے کس ہیں، اور اسی کے محتاج ہیں

---

(۱) امام قرطبی اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی تفسیروں میں لفظ اللہ کے مصدر اشتقاق سے متعلق اقوال نقل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اللہ لفظ إِلٰه سے بنا ہے کہا جاتا ہے کہ أَلِهَ الرَّجلُ جب وہ عبادت کرے، اور کہا جاتا ہے تَأَلَّهَ جب وہ عبادت گذار ہو جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے قرأت منقول ہے [وَیَذَرَکَ وَاِلَاھَتَکَ] اس کلمہ کی اصل]أَلاِلٰهُ[ہے درمیان کا ہمزہ جس کو فن صرف میں فاکلمہ کہتے ہیں کو حذف کر دیا گیا، اب دو لام اکٹھا ہو گئے، ایک اصل کلمے کا اور دوسرا زاید ''ال'' تعریف کا ایک لام کو دوسرے لام میں ادغام کر دیا گیا۔ اب ایک لام مشدد بن گیا، اور تعظیم کیلئے پرُ پڑھا جاتا ہے۔] تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۹، تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۳]

(۱) جبکہ اللہ بے نیاز ہے، یکتا ہے، تنہا ہے، کوئی ہمسر نہیں۔

اس کے بعد فرمایا [مَا لِکِ یَوْمِ الدِّ یْنِ] دوسری قرأت میں [مَلِکِ یَوْمِ الدِّ یْنِ] (۲) بھی پڑھا جاتا، الوہیت، ربوبیت اور ملک تین اہم صفات کا تذکرہ قرآن کی سب سے اولین سورت یعنی سورہ فاتحہ میں بھی ہے، اور یہی صفات قرآن کے سب سے آخری سورت سورۃ الناس میں بھی مذکور ہیں (۳)

قل أعوذ برب الناس ملک الناس، الہ الناس۔ یہ اللہ تعالی کی تین ایسی صفات ہیں جو ایک ساتھ قرآن کی سب سے پہلی اور سب سے آخری سورت میں بیان کی گئ ہیں، قرآن میں ان صفات کا اس طرح ایک ساتھ جمع ہونا، انسان سے توجہ کا مطالبہ کرر ہا ہے، اور انسانی سماعت کو دستک دے رہا ہے، جو انسان اپنی خیر خواہی کا متمنی ہو اس کے لیۓ یہ موضوع بڑا اہم ہے، یہ پہلو اسے سوچنے اور غور وفکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔، وہ جوں جوں اس پہلو پر غور کرے گا کہ یہ تینوں صفات الہیہ ایک ساتھ قرآن کی سب سے پہلی اور سب سے آخری سورت میں کیوں بیان کی گئ ہیں، تو اس کے سامنے یہ حقیقت آشکارا ہوگی کہ اس علیم و

---

(۱) لغت کی کتابوں میں صمد کے معنی ہیں بلند جگہ، کہا جاتا ہے]صمد الیہ الامر[قصد کرنا، ارادہ کرنا اعتماد کرنا، گویا بندے اللہ تعالی کا قصد وارادہ کرتے ہیں، اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں، اور اپنے تمام معاملات کو اسی کے حوالہ کرتے ہیں۔]لسان العرب: ۳/ ۲۵۸[

(۲) فن قراءات کے ائمہ میں سے امام عاصم وکسائی رحمہا اللہ کی قرأت]مالک یوم الدین[ہے، اور بقیہ ائمہ کی قرأت]ملک یوم الدین[ہے]تفصیل کیلئے ملاحظہ کریں الکشف: ۱/ ۲۴، التیسیر: ۱۸، النشر فی القراءات العشر: ۱/ ۲۷۱[

(۳) ذیل میں ہم ان بلند معانی کی وضاحت کیلئے نقشہ پیش کرتے ہیں، جن کا شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اجمالا اور پھر تفصیلا ذکر کیا ہے۔

سوت کا نام	توحید الوہیت	توحید ربوبیت	مالکیت
سورۃ الفاتحہ	الحمدللہ	رب العالمین	مالک یوم الدین
سورۃ الناس	الہ الناس	رب الناس	ملک الناس

خبیر کا منشا یہ ہے کہ اس کے بندے ان صفات کا شعور حاصل کریں، اور ان کے باہمی فرق سے بھی آگاہ ہوں، یہ شعور آگہی اس کے بندوں کے لیۓ انتہائی ضروری ہے۔

ہر صفت کا اپنا ایک خاص مفہوم ہے، اور ہر صفت اپنے مفہوم اور معنی کے اعتبار سے دوسری صفت سے ممتاز حیثیت کی حامل ہے، اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یوں ذکر کیا جائے کہ وہ (۱) اللہ کے رسول ہیں (۲) خاتم النبین ہیں (۳) اولاد آدم کے سردار ہیں، یہاں تین صفات بیان کی گئ ہیں، اور ان تینوں کے معنی الگ الگ ہیں، جب آپ اس حقیقت سے آگاہ ہو چکے کہ اللہ، الہ ہے، اور الہ ہی عبادت کے لائق ہے، وہی معبود ہے، اگر آپ اس کے نام پر قربانی کرتے ہیں اس کے نام پر نذر مانتے ہیں تو دراصل یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ اللہ کو صحیح طریقے سے جان اور پہچان چکے ہیں، البتہ اگر آپ اچھی یا بری مخلوق میں سے کسی ایک کو بھی پکارتے ہیں، یا اس سے مدد مانگتے ہیں، یا اس کے نام پر قربانی کرتے ہیں، یا اس کے نام پر منت مانگتے ہیں، تو یہ عمل گواہی دے رہا ہے کہ آپ نے مخلوق کو خالق بنا رکھا ہے، اور جس نے یہ جان لیا کہ اس نے اپنی عمر کے کسی لمحہ میں شمسان (۱) یا ''تاج'' کو معبود بنایا تھا، تو اس نے ایسا ہی کیا جیسا کہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کر کے کیا تھا، مگر جب ان پر حقیقت واضح ہوگئ تو وہ کانپ اٹھے، اور تائب ہوئے اور

---

(۱) اس شخص کا نام محمد بن شمسان ہے، اس کی اولاد لوگوں کو اس پر نذر و نیاز چڑھانے کا حکم دیتی تھی، لوگوں نے اس کے بارے میں ولایت اور اس کی شفاعت کا عقیدہ بنا رکھا تھا۔

تاج کا بھی یہی حال تھا، اس وقت لوگ اس کی ولایت کا عقیدہ رکھتے تھے، اور اس کے پاس اپنی ضرورتوں کو پورا کروانے کیلئے آتے تھے، اور وہ الخرج سے]جو ایک جگہ کا نام ہے[درعیہ [یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے] نذر و نیاز وصول کرنے آتا تھا جو اس کے معتقدین اس کے لئے جمع کرتے تھے، حکام اس سے ڈرتے تھے، اور لوگ اس کے چیلوں اور مریدوں سے گھبراتے تھے، لوگوں کا اس کے بارے میں یہ عقیدہ تھا کہ وہ اندھا ہے، اور بغیر کسی راہبر کے ان تک پہنچتا ہے، یہ اور اس جیسی بہت سی خرافات اور قصے اس کے بارے میں مشہور تھے، لوگ ایسے ہی اعتقاد کی بنا پر سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے تھے۔

شمسان اور تاج کی طرح یوسف اور ادریس کی آل اولاد بھی تھی، ان لوگوں کا ذکر شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کی کتب اور رسائل میں کثرت سے ملتا ہے: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:]روضۃ الافہام: ۱/ ۱۳۰[

قرآن نے ان کی توبہ کا کیوں ذکر کیا گیا ہے۔

وَ لَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَ رَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ [الاعراف:۱۶۹]

پھر جب ان کی فریب خوردگی کا طلسم ٹوٹ گیا، اور انہوں نے دیکھ لیئے کہ درحقیقت وہ گمراہ ہو گیئے، تو کہنے لگے کہ اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ فرمایا، اور ہم سے درگذر نہ کیا تو ہم برباد ہو جائینگے۔

’’رب‘‘ کے معنی مالک اور تصرف کرنے والے کے ہیں، بس اللہ ہر چیز کا مالک ہے، اور ہر چیز پر اس کا اختیار ہے، یہ ایک بدیہی حقیقت ہے اس کا ہر شخص اقرار کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کا اقرار وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو بتوں کے پجاری تھے، اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگیں لڑی تھیں، قرآن نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ، اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ، فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ [سورة یونس:۳۱]

ان سے پوچھو تم کو آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے، یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں، کون بے جان میں سے جان دار کو اور جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے، کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے، وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ، کہو پھر تم حقیقت کے خلاف چلنے سے پرہیز کیوں نہیں کرتے [یعنی شرک سے کیوں نہیں بچتے]

جو شخص اپنی پریشانیوں، الجھنوں اور مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیئے اللہ کو

پکارتا ہے، اور پھر اس کی مخلوق سے بھی مدد طلب کرتا ہے، اور دعا میں اپنی نسبت مخلوق کے ساتھ کرتا ہے مثلاً اس قسم کے الفاظ کہہ دے: اے فلاں تیرا بندہ، یا اے علی تیرا بندہ، یا اے زبیر تیرا بندہ گویا اس نے علی یا زبیر کو اللہ تعالی کی ربوبیت میں شامل کر لیا، اور اللہ تعالی کی ربوبیت کے ساتھ اس کے ربوبیت کا بھی اقرار کر لیا، اور خود کو مخلوق کے ساتھ منسوب کر کے گویا وہ یہ سمجھ بیٹھا ہے کی فلاں فلاں اس کی مدد کریں گے(۱)۔

اور اس کو فائدہ پہونچائیں گے، اور اس کی مصیبت دور کریں گے، اس کا یہ عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ اس نے اللہ کی ربوبیت کا اقرار تو کر لیا لیکن یہ اقرار نہیں کیا کہ صرف اللہ ہی تمام جہانوں کا رب ہے، اس نے ربوبیت کے ایک حصے کا اقرار کیا اور ایک حصہ کا انکار، اللہ اس شخص پر رحمتیں نازل کرے جس نے اپنے ساتھ خیر خواہی کی، ان اہم اور بنیادی باتوں کا شعور حاصل کیا، اور اہل علم سے پوچھا، کیوں کہ اہل علم ہی صحیح راہ پر گامزین ہیں، اور انہوں نے ہی ان باتوں کی تفسیر اس طرح بیان کی ہے۔

(مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ) یعنی روز جزا کا مالک اور دوسری قرأت میں ’مَلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ‘ آیا ہے، مگر اس کا مطلب تمام مفسرین کے نزدیک وہی ہے جس کی وضاحت اللہ تعالی نے اپنے

(۱) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
مشرکین غیر اللہ کے نام پر اپنے نام رکھ کر عبادت کرتے تھے، چنانچہ ان کے نام عبدالکعبہ، عبدشمس، عبدالعزیٰ، عبدمناۃ اور اسی طرح کے بہت سے نام تھے، جس میں غیر اللہ، سورج، بت، یا کسی انسان وغیرہ کے لئے عبدیت کا اثبات ہوتا ہے، اس میں شرک کا ارتکاب ہے، یہ ایسے ہیں جیسے نصاریٰ عبدالمسیح نام رکھتے تھے، یہی حال غالی روافض اور مبتدعین کا ہے۔
پھر فرماتے ہیں: شریعت اسلام جو کہ دین خالص ہے، صرف اللہ کیلئے ہے، اس دین میں مخلوق کو اس طریقہ پر عبادت کرنا ہے جیسا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ مشرکانہ نام اسلامی نام سے، اور کفریہ نام کو ایمانی نام سے تبدیل فرما دیا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکثر و بیشتر عبداللہ و عبدالرحمن نام رکھے ہیں۔[فتاوی شیخ الاسلام:۱/۳۷۸۔۳۷۹]

اس قول میں کی ہے۔

وَمَاأَدْرَاکَ مَایَوْمُ الدِّیْنِ، ثُمَّ مَاأَدْرَاکَ مَا اور کیا تم جانتے ہو کہ وہ جزا کا دن کیا ہے وہ یہ
یَوْمُ الدَّیْنِ ، یَوْ مَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ دن ہے جب کسی شخص کے لیے کچھ کرنا کسی
شَیْأًوَّ الأَمْرُیَوْمَئِذٍلِلّٰہِ اور بس میں نہ ہو گا ، فیصلہ اس دن بالکل اللہ
[سورۃ الانفطار:۱۷:۱۹] کے اختیار میں ہو گا۔

توجس نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر سمجھ لی اور یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرلی کہ (مُلک) کو یہاں ''یَوْمِ الدِّیْن'' کے ساتھ خصوصی طور پر بیان کیا گیا ہے، اور اسے روز قیامت کے ساتھ خاص کر دیا گیا، جب کہ یہ سب ہی جانتے اور مانتے ہیں کہ اللہ ہی ہر دن کا مالک ہے، اس دن کا بھی، اور اس کے علاوہ تمام دوسرے دنوں کا بھی، اس حقیقت کا ادراک جنت کے حصول کا سبب ہے، اور اسی سے بے توجہی دخول جہنم کا سبب ہوگی، یہ ایسا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیس برس بھی اس پر غور کرنے میں لگائے تو بھی اس کا حق ادا نہ کر سکے۔

کہا یہ معنی اور ان پر ایمان وتصدیق، اور قرآن پاک کی تصریحات پر ایمان وتصدیق، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان۔

یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ لَا أُغْنِيْ عَنْکِ مِنَ اے فاطمہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی میں اللہ کے حضو
اللّٰہِ شَیْئاً۔ (بخاری شریف) ر تجھے کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔

کہاں یہ معنی اور کہاں صاحب بردہ (۱) کا یہ قول

وَلَنْ یَضِیْقَ رَسُوْ لُ اللّٰہِ جَاھُکَ بِيْ إِذَ االْکَرِ یمُ تَحَلّٰی بِا سْمِ مُنْتَقِمِ

جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بصفت منتقم جلوہ گر ہوگا، تو میرے شفاعت سے نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسر شان ہے، اور نہ وسعت شفاعت میں کچھ کمی ہوگی۔

فَإِنَّ لِيْ ذِمَّۃً مِنْہُ بِتَسْمِیَتِیْ مُحَمَّداً وَھُوَ أَوْفٰی الْخَلْقِ بِالذِّ مَمِ

(۱) ''بردہ'' عربی میں چادر کو کہتے ہیں، صاحب بردہ سے مراد محمد بن سعید صنا بجی ہیں، مصر میں بوصیر ایک جگہ کا نام ہے، وہیں کے رہنے والے تھے اسی وجہ سے ان کو بوصیری کہا جاتا ہے، ان کی ولادت ۶۰۸ھ اور وفات ۶۹۶ھ میں ہوئی ان کے نعتیہ کلام کو مجموعہ بنام ''الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ'' شائع ہو چکا ہے اس کتاب کو 'قصیدہ بردہ' بھی کہتے ہیں۔

مجھ کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد سے بوجہ ہمنامی بخشائش کی پوری امید ہے (کیوں کہ میرا نام محمد شرف الدین ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کا نام محمد ہو گا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا) اور آپ وفائے عہد میں تمام دنیا سے پڑھے ہوئے ہیں۔

إِنْ لَمْ یَکُنْ فِيْ مَعَادِیْ آخِذاً بِیَدِيْ فَضْلاًوَ إِلَّا فَقُلْ یَا زَلَّۃَ الْقَدَمِ

اگر آپ قیامت کے دن لطف وکرم یا ہم نام ہونے سے میری دست گیری نہیں کریں گے تو مجھے کہنا پڑیگا ہائے شامت اعمال۔

جو شخص اپنی ذات کے لئے نصیحت پکڑنے والا ہو، اسے ان اشعار اور ان کے معنی پر غور وفکر کرنا چاہئے۔ اور ان عام لوگوں اور علم کے دعویداروں کے لئے بھی ان اشعار میں دعوت فکر ہے جو ان اشعار کے گرویدہ ہیں، اور ان کے پڑھنے کو قرآن پاک کی تلاوت پر ترجیح دیتے ہیں

کیا کسی اللہ کے بندے کے دل میں ان اشعار پر ایمان، اور اللہ تعالی کے اس فرمان:

یَوْ مَ لَا تَمْلِکُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْأًوَّ الأَمْرُ جس دن کہ بھلا نہ کر سکے کوئی جی، کسی جی کا
یَوْمَئِذٍلِلّٰہِ [سورۃ انفطار:۱۹] کچھ بھی، اور حکم اس دن اللہ ہی کا ہے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان:

یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ لَا أُغْنِيْ عَنْکِ مِنَ اے فاطمہ بنت محمد میں تیری عند اللہ کوئی مدد
اللّٰہِ شَیْئاً نہیں کر سکتا۔

پر ایمان اکٹھا ہو سکتے ہیں، نہیں خدا کی قسم ہر گز نہیں ہاں اس شخص کے دل میں دونوں کی

اس کتاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بوصیری نے خواب میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر پاک ان پر ڈال دی، جس کی برکت سے انہوں نے یہ اشعار کہے، اسی وجہ سے یہ کتاب قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہوئی، اس میں ۱۶۰ شعر ہیں اس کتاب میں اگر صرف درج ذیل دو شعر ہی ہوتے:

یَا أَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مَنْ أَلُوْذُبِہٖ سِوَا کَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَا دِ ثِ الْعَمَمِ

اے بزرگ ترین مخلوقات سوائے آپ کے میرا کوئی سہارا نہیں کہ جس سے نزول آفات کے وقت پناہ مانگوں۔

فَإِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتُھَا وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اس لئے کہ دنیا اور آخرت آپ کے بحر عطاء سے ایک قطرہ کے برابر ہے، اور لوح وقلم کا علم آپ کے علم کا ایک کرشمہ ہے۔ اگر اس کتاب میں صرف یہی دو شعر ہوتے تب بھی شرک کی دلدل میں پھنسنے کے لئے کافی تھے۔

تصدیق اکھٹا ہوسکتی ہے جس کا یہ عقیدہ ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ اسلام بھی سچے اور فرعون بھی سچا، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سچے اور حق پر، ابوجہل بھی سچا اور حق پر!

وَ اللّٰہِ مَا اسْتَوَ یَا وَ لَنْ یَتَلَاقِیَا   حَتّٰی تَشِیْبَ مَفَارِقَ الْغِرْبَانِ

خدا کی قسم نہ تو برابر ہو سکتے ہیں، اور نہ مل سکتے ہیں، یہاں تک کہ کوّوں کے سروں کا درمیانی حصہ سفید ہو جائے۔

جس نے اس مسئلہ کو سمجھ لیا، اور قصیدہ بردہ کو بھی سمجھ لیا، اور اسکے گرویدہ گروہ کو بھی جان لیا، اس کی سمجھ میں اسلام کی غربت خوب اچھی طرح سے آجائے گی، اور اس کی سمجھ میں یہ بات بھی بخوبی آجائے گی کہ ہم سے دشمنی، اور ہماری جان نیز عزت وآبرو کو حلال سمجھنا، تکفیر اور قتال کی وجہ سے نہیں ہے، کیونکہ اس کا آغاز ہمارے دشمنوں نے خود کیا ہے، ہمارا اصل اختلاف اللہ تعالیٰ کی ان آیات:

فَلَاتَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ أَحَداً [سورۃ الجن:۱۸]   سو مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی کو

نیز۔

أُوْلٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ إِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَةَ أَیُّھُمْ أَقْرَبُ [سورۃ ال إسراء: ۵۷]   وہ لوگ جن کو پکارتے ہیں، وہ ڈھونڈتے ہیں اپنے رب تک وسیلہ کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے

نیز۔

لَہٗ دَعْوَۃُ الْحَقِّ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَایَسْتَجِیْبُوْنَ لَھُمْ بِشَیْئٍ [سورۃ الرعد :۱۴]   اسی کا پکارنا سچ ہے، اور جن لوگوں کو پکارتے ہیں اس کے سوا وہ نہیں کام آتے ان کے کچھ بھی

[یہ آیات ہیں، ہمارے دشمن اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کے پکارنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کیلئے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں وغیرہ وغیرہ، گو یا ہمارا اور ہمارے دشمنوں کا اختلاف ان نصوص پر عمل کرنا اور نہ کرنا ہے]

[مالک یوم الدین] کی تفسیر میں یہ چند نکات ہیں جو بیان ہوئے، ان پر تمام مفسرین کا اجماع ہے، خود اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر سورۃ الانفطار میں کی ہے، جیسا کہ میں نے ذکر کیا (۱)

اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے کہ تم یہ سمجھ لو کہ حق کی پہچان باطل کے مقابلے میں کس طرح کی جاتی ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وَبِضِدِّھَا تَتَبَیَّنُ الأَشْیَاءُ (۲)

چیزیں اضداد کی موجودگی سے ہی واضح ہوتی ہیں۔

حق اسی وقت واضح ہوتا ہے جب باطل اسکے سامنے لایا جائے، ان باتوں پر غور کرو، مجھے تمہارے سامنے انہیں بیان کئے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا، اسی کوشش میں کئی سال بیت گئے، شاید تم اپنے جدامجد ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کو پہچان لو، اور اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا صحیح شعور حاصل کر سکو، شاید کہ انجام کار قیامت کے دن میدان حشر میں تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد علیہ السلام کی رفاقت کی سعادت نصیب ہو، اور تمہیں حوض کوثر سے روکا نہ جائے جبکہ ان لوگوں کو اس کے پاس جانے سے روکا جارہا ہو، جنہوں نے ان بزرگوں کے دین سے انحراف کیا، اگر تمہارا یہی نیک عمل رہا، تو امید ہے کہ تم اس ''صراط'' پر سے بڑے آرام اور سکون کے ساتھ گزرتے چلے جاؤ گے، اور بھٹکنے سے محفوظ رہو گے۔ کیونکہ تم دنیا میں صراط مستقیم پر گامزن رہے تھے، جبکہ اور لوگ اس راہ مستقیم سے پھسل گئے تھے، اور اس سے دور جا چکے تھے۔

پس تم سورہ فاتحہ انتہائی خضوع وخشوع، عاجزی اور دل کی پوری آمادگی کے ساتھ پابندی

(۱) شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف ہے:

وَمَاأَدْرَاکَ مَایَوْمُ الدِّیْنِ ثُمَّ مَاأَدْرَاکَ مَا یَوْمُ ا لدِّیْنِ،یَوْمَ لَاتَمْلِکُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَیْئًا وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِلّٰہِ [سورۃ الانفطار:۱۷۔۱۹]   اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے، پھر آپ کو کچھ خبر ہے کہ وہ روز جزاء کیا ہے، وہ ایسا دن ہے کہ جس میں کسی شخص کا کسی شخص کے نفع کیلئے کچھ بس نہ چلے گا، اور تمام تر حکومت اس روز اللہ ہی کی ہوگی۔

(۲) یہ شعر کا ایک ٹکڑا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو دیوان متنبی مع شرح برقوقی: ۱/۱۴۹

سے پڑھا کرو اور اسے اپنے اوپر لازم کرلو۔

باری تعالیٰ کے ارشاد: (إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں ''عبادت'' محبت کی معراج ہے، عاجزی وانکساری (۱) کی غایت ہے اور اللہ کے خوف، اور اس کے آگے خودسپردگی اور سرافگندگی کا اعلیٰ نمونہ ہے، غور کیجئے ''ایاک'' جو مفعول ہے اپنے فعل ''نعبد'' سے پہلے لایا گیا ہے، پھر اہمیت جتانے، اور حصر پیدا کرنے کے لئے اسے دہرایا گیا ہے، بندہ یوں کہتا ہے کہ (لَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاکَ) کسی کی عبادت نہیں کرتے مگر صرف تیری، اور کسی پر بھروسہ نہیں کرتے مگر تجھ پر، اطاعت وفرمانبرداری کی یہی تو معراج ہے، اور سارے دین کا دارومدار تو ان ہی دو حقیقتوں پر ہے۔ اوّل شرک سے بیزاری، اور دوم کسی اور کی طاقت وقوت سے جرأت انحراف (۲)

پھر فرمایا گیا (إِيَّاکَ نَعْبُدُ) ہم تیری ہی عبادت اور وحدانیت (۳) کے قائل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے اقرار کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ تم اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کرتے ہو کہ اس کی عبادت میں کسی اور کو شریک نہیں کروگے، نہ کسی فرشتے کو، نہ نبی کو، اور نہ ہی کسی

(۱) مصنف رحمہ اللہ نے عبادت کے جو معنی بیان کئے ہیں، وہ عبادت کے شرعی معنی ہیں۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے]تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۰] امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبودیت کی اصل تمام اہل عرب کے نزدیک عجز وانکساری ہے]تفسیر طبری: ۱/ ۱۶۱]

(۲) ایاک نعبد کی یہ تفسیر ہے کہ ''ہم تیری ہی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں اور تجھ سے ہی ڈرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے امید رکھتے ہیں''۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو]تفسیر طبری: ۱/ ۱۶۰ وتفسیر ابن کثیر: ۱/ ۵، ودر منثور: ۱/ ۱۴]

میں نے یوں کہا ہے کہ منسوب کیجاتی ہے کیوں کہ اس تفسیر کی نسبت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ضعیف وکمزور ہے۔ جیسا کہ شیخ احمد شاکر نے تفسیر طبری پر اپنی تحقیق میں واضح کیا ہے۔

اور کو، جس طرح قرآن مجید میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا گیا۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ [آل عمران: ۸۰] وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو، کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے جب کہ تم مسلم ہو۔

پس اس آیت پر غور کرو، اور ربوبیت کے مسئلے پر جو کچھ بیان کیا جاچکا ہے اسے بھی ذہن نشین کرلو، لوگوں نے ربوبیت کی نسبت محمد بن شمسان (۱) کی طرف کی ہے، اگر صحابہ کرام انبیاء اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایسا کرتے تو قرآن اسے کفر قرار دیتا، پھر اس شخص کے بارے میں خیال ہے، جو تاج اور اس قسم کے دوسرے لوگوں کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول [إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ] میں دو مسئلے ہیں ا۔ اللہ تعالیٰ سے ہی سے مدد طلب کی جائے ۲۔ اسی پر توکل واعتماد کیا جائے، اور غیر اللہ کی طاقت وقدرت کی نفی کی جائے، اور اس سے اعلان براءت کیا جائے، اور کیونکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا بندے کا

(۱) تاج اور محمد بن شمشان کا ذکر پیچھے گذر چکا

(۱) فتح اور کامیابی سے مراد ''صلح حدیبیہ'' ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْکَ وَيَهْدِيَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا [سورۃ الفتح: ۱۔۷] بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے، اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے، اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔

(۲) سلف کے نزدیک ہدایت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ عام ہدایت: جس کا مطلب ہدایت ورہنمائی ہے۔

۲۔ خاص ہدایت: جس کا مطلب توفیق، اور دل میں بات ڈالنا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

وَأَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى عَلَى الْهُدٰى [سورۃ حم السجدہ: ۱۷] رہے ثمود، سو ہم نے ان کی بھی رہبری کی، پھر انہوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی۔

کی تفسیر کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں: یہاں ہدایت سے مراد دلالت، رہنمائی، اور توضیح ہے جو عام ہے اور سب کے لئے مشترک ہے۔ جیسا کہ کسی بات پر عمومی طور پر یاد دلانا، یا کسی بات سے عمومی طور پر ڈرانا ہوتا ہے، مذکورہ آیت میں ہدایت سے مراد عام ہدایت ہے جو متقیوں اور غیر متقیوں دونوں کیلئے ہے، یہی عام ہدایت اس ارشاد میں بھی ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ: [سورۃ الرعد] اور ہر قوم کیلئے ہے ہادی ہوتے چلے آئے ہیں

لیکن اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ [سورۃ الفاتحہ] ہمیں سیدھی راہ دکھا

میں خاص ہدایت مراد ہے جو صرف متقیوں کے لئے ہے، جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوتا ہے، قرآن کریم میں اس جیسی خصوصی ہدایت والی اور بھی آیتیں ہیں

اللہ کا ارشاد ہے:

فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ [سورۃ الاعراف: ۳] بعض لوگوں کو اللہ نے ہدایت دی ہے، اور بعض پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ [سورۃ النحل: ۳۷] لیکن اللہ تعالیٰ اسے ہدایت نہیں دیتا جسے گمراہ کردے۔

تیسری جگہ ارشاد ہے:

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ [سورۃ مائدۃ: ۱۶] اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں کو جو کہ رضائے حق کے طالب ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں۔

مذکورہ ان آیات میں خصوصی ہدایت کی طرف اشارہ ہے [فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۶/ ۱۰۶]

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کیلئے ملاحظہ کیجئے [فتاوی ابن تیمیہ: ۸/ ۱۰۷۔ ۱۰/ ۱۰۶۔ ۱۴/ ۳۷۔ ۱۶/ ۱۰۰، نیز تیسر العزیز الحمید صفحات: ۲۹۸۔ ۳۰۰، وفتح المجید صفحہ ۲۱۲]

(۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موقعہ پر اس ضرورت کی وضاحت کیلئے بڑی نفیس بات تحریر فرمائی ہے:

وہ فرماتے ہیں: ''اسی وجہ سے سورہ فاتحہ کی یہ دعاء [اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ] سب سے زیادہ نفع بخش، بلند اور عمدہ قرار پائی ہے، کیوں کہ اگر اللہ تعالی بندے کو اس سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیدے، اور اس کو اپنی بندگی پر اور گناہوں کے چھوڑنے پر مدد کردے تو دنیا و آخرت میں اس کو کوئی برائی چھو بھی نہیں سکتی۔

لیکن چونکہ گناہ انسانی ذات کے لوازم میں سے ہے، اسلئے وہ ہر آن اور ہر گھڑی ہدایت کا محتاج ہے اور اس ہدایت کی انسانی زندگی میں کھانے پینے سے زیادہ ضرورت ہے۔

اس آیت کی وہ تفسیر نہیں ہے جو مفسرین کے ایک طبقے نے کی ہے کہ اللہ تعالی نے ہم کو ہدایت دیدی ہے، تو اب ہدایت کی طلب کیا سوال؟ کیوں کہ یہاں طلب ہدایت کا مطلب ہدایت پر استقامت اور مزید ہدایت کا سوال ہے۔ اسی وجہ سے بندوں کو ہر نماز میں اس دعاء کا مکلف بنایا گیا ہے، بندے اس دعاء سے زیادہ کسی چیز کے محتاج نہیں۔ [فتاوی ابن تیمیہ: ۱۴/ ۳۲۰ و تفسیر ابن کثیر: ۱۴/ ۷۲]

حق ہے جیسا کہ گذر چکا ہے، کہ یہ آیت ایسی ہے جس کا تعلق آدھا بندے سے ہے، اور آدھا رب سے، بندے کا حق یہ ہے کہ عبادت کرے، اور رب کا حق یہ ہے کہ بندے کی مدد کرے]

ارشاد باری ہے۔ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ یعنی ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ کو عطا کردہ ایک تحفہ ہے، یہ اللہ تعالی کے حضور میں گریہ اور آہ و زاری ہے، اس دعا کے ذریعے اس مقصد کا حصول ہے کہ جس سے زیادہ اعلیٰ و ارفع دنیا و آخرت میں کوئی اور مقصد ہو ہی نہیں سکتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فتح (۱) کے بعد احسان فرمایا، نبی اکرم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا:

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا یعنی اللہ تجھے سیدھے راستے پر چلائے گا

(۱) شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے صراط کی تفسیر دین سے کی ہے، اور یہی ان کے نزدیک راجح ہے، مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کی مختلف تفسیریں کی ہیں، ان سے صراط کی تفسیر: قرآن پاک، اسلام، اہل سنت والجماعت، اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مروی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس اختلاف کو اختلاف تنوع قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان تمام مفسرین نے ایک ہی بات کہی ہے لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت کا ذکر کیا ہے۔] فتاوی ابن تیمیہ: ۱۳/ ۳۳۶]

(۲) مومن بندہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے اپنے خاص انعامات نازل فرمائے ہیں؟ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ انعام والے لوگوں سے مراد جناب بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں یہی قول شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو حضرت عبدالرحمن بن زید اسلم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے، ان کے نزدیک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر راجح ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت [صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ] کی تفسیر دوسری آیت سے کی ہے، وہ آیت یہ ہے:

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا [سورۃ النساء:]۶۹ اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالی نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔

محقق کتاب لکھتے ہیں: اس آیت کی تفسیر میں یہ جو دونوں اقوال نقل کئے گئے، ایسے اختلاف کو اختلاف تنوع کہتے ہیں۔

اختلاف تنوع سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت جو اپنے ضمن میں بہت سی قسموں کو لئے ہوئے ہو، مفسرین میں سے ہر ایک ان میں سے صرف ایک قسم کو بیان کرے، مفسرین کرام کا ایسا کرنا اس لئے نہیں ہوتا کہ یہ آیت صرف اسی قسم پر مشتمل ہے بلکہ بطور مثال ایسا کرتے ہیں، اب ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس میں اپنے ان بندوں کا ذکر کیا ہے جن پر ان کے خاص انعامات ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ اس ضمن میں سب سے پہلے ابنیاء، صحابہ کرام، شہداء، صالحین یہ سب داخل ہوں گے اب کوئی مفسر یہ کہے کہ

،ہدایت سے مراد یہاں توفیق اور رہنمائی ہے(۲) بندے کو اس مسئلہ کی اہمیت اور ضرورت پر غور کرنا چاہئے ، یہ ہدایت علم اور عمل صالح دونوں پر مشتمل ہے،عمل صالح کا حسن یہ ہے کہ اس پر استقامت ہو اور آخری سانس تک ثابت قدمی ہو۔

(الصراط) سے مراد ایسا راستہ ہے جو ہموار ہو، صاف ستھرا ہو، بالکل سیدھا ہو، نہ اس میں اینچ پیچ ہو، اور نہ کوئی رکاوٹ ہو، اس سے مراد وہ دین ہے(۱) جس کو اللہ جل شانہ نے اپنے رسول پر اتارا

[(أَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ) سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم (۲) ہیں تم ہمیشہ ہر رکعت میں یہ التجا کرتے ہو کہ وہ تم کو ان ہی نیک بندوں کے راستے پر چلائے، ان ہی کا راستہ سیدھا راستہ ہے، اس کے علاوہ جو بھی علم ہو جو بھی راہ عبودیت و بندگی ہو غلط ہے، ٹیڑھی اور تاریک ہے، اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ اعتقاد دل کی گہرائیوں سے ہو اور مومن شیطان کی چالوں سے دور رہے، بہت سے مرتد یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، اور جو چیز آپ کے مخالف ہے وہ باطل ہے، مگر جب کوئی چیز ان کی نفسانی خواہشات کی راہ میں حائل ہو جائے تو وہ اپنے نفس ہی کا کہنا مانتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی طرف قرآن میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اس سے مراد صحابہ ہیں، دوسرا یہ ہے کہ شہداء ہیں، تیسرا یہ ہے کہ صالحین تو اسے اختلاف نہیں کہتے ، بلکہ اسے یوں کہا جاتا ہے کہ ہر مفسر نے عموم میں سے صرف ایک کو بیان کیا ہے۔[تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو فتاوی ابن تیمیہ: ۱۳/ ۳۳۷]

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر مروی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:[الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ] سے مراد یہود ہیں '[الضالین] سے مراد نصاری ہیں۔

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَتَفۡسِيۡرُهَا بِالۡيَهُوۡدِ وَالنَّصَارٰى هُوَ الۡوَارِدُ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَجَمِيۡعِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيۡنَ وَأَتۡبَاعِهِمۡ، حَتّٰى قَالَ ابۡنُ أَبِيۡ حَاتِمٍ: لَاأَعۡلَمُ فِيۡ ذٰلِكَ اِخۡتِلَافاً بَيۡنَ الۡمُفَسِّرِيۡنَ [الاتقان: ۴/ ۱۹۰]

اس آیت سے یہود اور نصاری کا مراد ہونا ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثابت ہے، یہاں تک کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق اس آیت کی تفسیر میں کسی مفسر نے اختلاف ہی نہیں کیا] یعنی سب کے نزدیک یہود ونصاری ہی مراد ہیں[۔

فَرِيۡقاً كَذَّبُوۡا وَفَرِيۡقاً يَقۡتُلُوۡنَ [[المائدہ:]۷ یہ ایک جماعت کو جھٹلاتے ہیں اور دوسری کو قتل کرتے ہیں۔

اللہ تعالی کے ارشاد(غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ) کے معنی ہیں کہ، ان لوگوں کا راستہ نہیں، جو مغضوب ہوئے اور نہ ان کا جو گمراہ ہوئے

(مَغۡضُوبِ عَلَيۡهِم) سے مراد ایسے علماء ہیں جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے اور (ضالین) سے مراد ایسے لوگ ہیں جو راہ مستقیم سے دور نکل چکے ہیں، جہالت میں مبتلا ہیں، بغیر جانے بوجھے بلا سوچے سمجھے جو کچھ ان کے دل کو بھائے اس پر عمل کرتے ہیں، پہلی صفت یہود کی ہے، اور دوسری نصاری کی (۱) اکثر جاہل لوگ جب تفسیر کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ دونوں صفات یہود و نصاری ہی کے ساتھ خاص ہیں،

محقق کتاب لکھتے ہیں: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ یہ آیت انہیں دونوں فرقوں کے ساتھ خاص ہے، بلکہ اس آیت کا اطلاق ان لوگوں پر بھی ہوگا جو ان کا طور طریق اور چال چلن اختیار کریں اس کی وضاحت مؤلف کتاب نے بھی کی ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل ایمان کا طریقہ کار حق بات کا علم اور اس پر عمل کا ہے، یہود کے یہاں عمل کا فقدان ہے اور نصاری کے یہاں علم کا، اس بنا پر غضب یہود کے اور گمراہی نصاری کے حصے میں آئی اس لئے کہ جس کے پاس علم ہو اور عمل نہ ہو وہ غضب کا مستحق ہے، برخلاف اس کے جس کو علم ہی نہ ہو، نصاری نے طلب حق کا ارادہ تو کیا لیکن ان کو راستہ ہی نہ ملا کیوں کہ انہوں نے راستہ کو اس کے صحیح سمت سے نہیں تلاش کیا تو گمراہ ہو گئے، گمراہی اور اللہ تعالی کے غضب کا استحقاق یہ دونوں صفتیں دونوں جماعتوں، یہود و نصاری پر منطبق ہیں لیکن یہودیوں کی خاص صفت اللہ کے غضب کا استحقاق ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

مَنۡ لَعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ [سورۃ المائدۃ:]٦ وہ ان اشخاص کا طریقہ ہے جن کو اللہ تعالی نے دور کر دیا ہو اور ان پر غضب فرمایا ہو۔

اور نصاری کی خاص صفت گمراہی ہے جیسا کہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَأَضَلُّوۡا كَثِيۡراً وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَاءِ السَّبِيۡلِ [سورہ مائدہ:]۷۷ جو پہلے سے غلطی میں پڑ چکے ہیں اور بھی بہتوں کو غلطی میں ڈال چکے ہیں اور وہ لوگ راہ راست سے دور ہو گئے ہیں۔]تفسیر ابن کثیر:]۲۸

حالانکہ انہیں اس کا اعتراف ہے کہ ان کے اللہ نے ان پر لازم کیا ہے کہ وہ اس دعاء کے سہارے اپنے رب سے مانگیں، اس کی جناب میں گڑگڑائیں، اوران صفات قبیحہ کے حامل لوگوں کے طریقہ سے اللہ کی پناہ مانگیں، سبحان اللہ، اللہ تعالی اپنے بندے کوکس طرح سکھاتا ہے اوراس کے لئے اچھی باتیں پسند کرتا ہے، یہی نہیں بلکہ اس پر فرض کیا کہ طلب ہدایت و استقامت کی برابر دعا کیا کرے، حالانکہ مومن بندے کوکس بات کا خوف، وہ تو اس بات کا تصورنہیں کرسکتا کہ ہدایت دینے کے بعد اللہ تعالی اس کو گمراہ کردیں گے، ایسا تصور کرنا بھی اللہ سے سوءظن کے مرادف ہے، واللہ اعلم

اگرچہ (آمین) (۱) سورہ فاتحہ کا جزنہیں ہے، لیکن دعاء کے بعد قبولیت کی درخواست ہے، یعنی اے ہمارے رب ہماری دعاء کوقبول فرمالے۔

سورہ فاتحہ کی تفسیر اللہ تعالی کے فضل وکرم سے مکمل ہوئی اللہ تعالی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اورآپ کی آل اورآپ کے ساتھیوں پر درود وسلام بھیجے۔ ہرطرح کی تعریف اللہ تعالی ہی کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔

(۱) آمین کی فضیلت میں درج ذیل حدیث کے علاوہ اورکوئی حدیث واردنہیں ہوئی ہوتی تب بھی کافی تھی بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشادفرمایا:

إِذَاقَالَ الإِمَامُ غَيرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّالِّيْنَ فَقُوْلُوْا: آمِيْن فَمَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ [بخاری شریف کتاب التفسیر: ۱/]۳۰۷

جب امام]غیرالمغضوب علیہم ولا الضالین[کہےتوتم آمین کہو جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے ساتھ ساتھ ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہےاس کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا أَمَّنَ الإِمَامُ فَأَمِّنُوْا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِيْنُهُ تَأْمِيْنَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ [صحیح مسلم شریف: ۱/]۳۰۷

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ جب امام آمین کہےتوتم بھی آمین کہو، پس جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کہنے کے ساتھ ساتھ ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔